مجید امجد: جدید نظم کی منفرد آواز

ڈاکٹر تحسین بی بی

Dr.Tahseen Bibi

Head of Urdu Department,

University of Swabi, KPK.

ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی

Dr.Muhammad Nasir Afridi

Department of Urdu,

Sarhad University, Peshawar.

Abstract:

In Majeed Amjad's poetry, we find different subjects. He kept himself away from literary circles and groups of big cities. He loved his loneliness and created a beautiful poetry after a long endeavour. There is a special strength and balance in his poetry which is due to his deep observation and experience. Majeed Amjad is a modern poet but he maintained the standard of poetry due to his deep observation of study the universe, vast of international poets and deep love for urdu, persian, arabic and other languages. He was not only the poet of poem, but he also took interest in ghazal and created about sixty one match ghazals. Dr. Khawaja M. Zakaria compiled the complete work of said great poet. In this research article, the endeavour has been made to discuss the different aspects of Majeed Amjad's poetry.

مجید امجد کا شعری سفر قریباً نصف صدی کو محیط ہے۔ اُنھوں نے اس تخلیقی سفر میں نظم اور غزل میں اپنی انفرادیت قائم کی۔ وہ روایت سے جدت کی طرف برابر گامزن رہے۔ ان کا شعری سفر تسلسل سے عبارت ہے۔ اُن کی زندگی میں صرف ایک شعری مجموعہ منصۂ شہود پر آیا۔ ان کا باقی ماندہ کلام اُن کی رحلت کے بعد یکے بعد دیگرے منظرِ عام پر آیا۔ مجید امجد نے زندگی کی تلخیاں اور نشیب و فراز برت کر دیکھے تھے۔ اس لیے اُن کی شاعری میں جذبے کی شدت اور احساس کی کارفرمائی تمام تر توانائیوں کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ وہ ایک جمال دوست شاعر ہیں، لیکن اُن کے ہاں ولیؔ جیسی جمال دوستی نہیں بل کہ اُن کے اندر میرؔ جیسے جمالیاتی پہلو جھلکتے ہیں۔ مجید امجد فلسفۂ جمال پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ حسن سے ہر حال میں متاثر ہوئے، خواہ وہ کسی چیز میں بھی

کارفرما ہو۔اُنھوں نے حسن سے معنی آفرینی اور حیات وکائنات میں حسن کی کارفرمائی کو نہ صرف محسوس کیا بل کہ اُس کو حقیقی اور فطری رنگ میں ہمارے شعور کا حصہ بھی بنایا ہے۔اُن کی شاعری میں فکری اور فنی سطح پر ایک جہاں آباد ہے۔ڈاکٹر سید عامر سہیل، مجید امجد کے شعری سفر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مجید امجد تمام عمر شعر کے متنوع پیکروں، اظہار کے منفرد وسیلوں اور اَن دیکھی دنیاؤں کے نت نئے روپ دیکھنے اور تراشنے کے خواہاں رہے۔لفظ اور معنی کا تعلق،صورتِ معنی اور معنیِ صورت کا معما انھیں درپیش رہا۔یہی ریاضت تھی جس نے انھیں ایک نئے شعری تناظر کو دریافت کرنے میں مدد فراہم کی۔''(۱)

مجید امجد کے کلام میں موضوعاتی تنوع پایا جاتا ہے۔ان کے اسلوبِ فن سے ان کی فکری جہتوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔انھوں نے تخلیقِ فن کے لیے حالی کے تفحص الفاظ کی روایت کو برقرار رکھا، چناں چہ وہ فکر کی مناسبت سے الفاظ کے قبول ورد کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں۔وہ یونانی شاعر ورجل کی روایت کے علم بردار نظر آتے ہیں۔انھوں نے شعر کی خوب صورتی کے لیے ہر ممکن ریاضت کو شعار بنایا ہے۔مجید امجد کی شاعری نے ان کی زندگی سے حرارت افروزی کی ہے۔انھوں نے انسانی زندگی کے ارتقا پذیر پہلوؤں کو شعری بطن میں سمویا ہے۔ان کی شاعری کسی سرمایۂ حیات سے کم نہیں ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں ماضی، حال اور مستقبل کے لمحات کو مربوط انداز میں سمو رکھا ہے۔ان کی شاعری امکانات کی سراغ رسانی کرتی ہے۔وہ ایک ایسے شاعر کے روپ میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتے ہیں، جیسے مستقبل کو دریافت کیا ہے۔ان کی اس دریافت کاری کے در پردہ ماضی کے آئینے عکس پذیر ہیں۔ان کی شاعری کے غائر مطالعے سے قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انھوں نے تخلیقی سفر کے دوران روایت سے جدیدیت کے پیکر تراشے ہیں۔ان کی انفرادیت اسی جذبے کے زیرِ اثر ہے۔ایک بڑا فن کار اسی راستے سے گزر کر نامی ہوتا ہے۔

مجید امجد کی شاعری کو اگر درج بالا حوالے سے دیکھا جائے، تو ان کے ہاں روایت پسندی کو بھی بڑی حد تک دخل رہا ہے اور جدیدیت کی طرف بھی روبہ عمل رہے ہیں۔وہ انسانی زندگی کی تلخیوں اور ناہمواریوں کے خلاف علم بغاوت بھی بلند کرنے پر کمربستہ رہے ہیں، لیکن ان کی بغاوت بھی ایک تعمیری مقصد کی علم بردار ہے۔وہ بغاوت کے باب میں کھوکھلی نعرے بازی کے قائل نہیں بل کہ زندگی کی صحت مندی کے لیے عملی اقدامات اٹھانے کے حامی ہیں۔اگر چہ انھوں نے اپنی نظم کا آغاز بھی روایتی مضامین کی بندش سے کیا۔اس کے باوجود ان کی شاعری میں پائے جانے والے ترقی پسندانہ اور رومانوی عناصر انھیں انسانی زندگی کے من پسند اور حقیقی مضامین کی طرف لے آتے ہیں۔غرض مجید امجد کی شاعری میں ارتقائی سفر مسلسل اور بتدریج جاری رہا۔اُنھوں نے فنی اور فکری حوالے سے تجربات کا سلسلہ جاری رکھا اور وہ اس میں یقیناً کامیاب رہے ہیں۔اُن کی شاعری کے مسلسل مطالعے سے ہی ان کے فکری اور فنی ارتقا اور تبدیلیوں کو سمجھنے میں معاونت ہوتی ہے۔ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''مجید امجد نہ تو خالصتاً ترقی پسند تھے اور نہ ہی جدیدیت کے اندھا دھند مخالف تھے، لیکن وہ جدید بھی تھے اور ترقی پسند بھی شمار کیے جاسکتے ہیں۔ان دو تحریکوں کے فکری زاویے انھوں نے متعدد دوسرے شعرا کی طرح کتابوں کے مطالعے سے حاصل نہیں کیے تھے بل کہ حقیقی زندگی سے اکتساب کیے تھے اور انھیں اصل رنگوں میں فطری انداز میں قبول کیا تھا۔''(۲)

مجید امجد کی شاعری میں زندگی کے حقیقی رنگ اپنی رعنائی کا انوکھا التزام کرتے ہیں۔ان کی شاعری میں پائے جانے والے رنگ اپنے اندر منفرد خوش بُو اور روشنی رکھتے ہیں، جو ہمارے حسی نظام کو متاثر کرتے ہیں۔وہ عجب پھولوں سے فکری گل کاریاں کرتے ہیں، جس سے ہمارے شعور میں تمازت پیدا ہوتی ہے۔ان کی شاعری لطیف احساسات کو جنم دے کر ہمارے داخل میں ارتعاش پیدا کرتی ہے۔ مجید امجد نے اپنی شاعری میں جو رس گھول رکھا ہے، قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کا کمال یہ ہے کہ اُن کی شاعری قاری سے ایک ایسا تعلق خاطر پیدا کر لیتی ہے، جس سے قاری اُس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ ان کی شاعری قاری کو مسلسل دعوتِ مطالعہ دیتی ہے۔ قاری غیر شعوری طور پر اُن کے کلام کے سحر میں گرفتار ہو کر اُن کے کلیات میں گم ہو جاتا ہے۔اُن کی شاعری دشتِ تخیل کی ناپید کناریوں کی سراغ رسانی کے لیے قاری کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔اس میں موجود نغمگی قاری کے دل کے نہاں خانوں میں بانسری کا سُر پیدا کرتی ہے۔

مجید امجد انسانی حواس خمسہ کو پوری طرح بیدار کرتے ہوئے سلیقہ مندی سے ہمارے لاشعور اور دنیا کے نئے امکانات کو جھنجھوڑتے ہیں۔ مجید امجد نے قاری کی چھٹی حِس کو زندہ و بیدار کرنے کا بھی سامان کیا ہے۔ان کے اشعار دامنِ دل کو کھینچتے ہیں۔ مجید امجد اپنے مکمل شعری سرمایے کے ساتھ دنیائے اُردو شاعری کے اُفق پر نمودار ہوئے ہیں کہ آج اُن کی فکری چال کو دیکھ کر جدید زمانہ اپنا مزاج متعین کرتا ہے۔اس کے درپردہ مجید امجد کی شبانہ روز فکری ریاضت کارفرما ہے، جس نے انھیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور آپ ایک بڑے فن کار کے روپ میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہیں۔اس ضمن میں اُن کی نظم ''موانست'' سے چند بند ملاحظہ کیجیے:

رات اچانک پھاٹک کا اک پہیہ رینگا
پگڈنڈی پر اک آہٹ نے ٹھوکر کھائی
کالے کالے پردوں کو اوڑھ کے سونے والی وحشت
پاس کے پیڑ پہ کندھے جھٹک کے چونکی، چیخی
جیسے کوئی اس کی طرف جھپٹا ہو
ڈرتے ڈرتے اس نے نیچے اندھیارے میں جھانکا
''اوہو یہ تو ایک وہی سایہ تھا
وہ جو روشنیوں کے پہلے پھیرے سے بھی پہلے
روز ادھر سے گزرتا ہے، اور پہلی کرن کی پینگ کے پڑنے سے بھی پہلے
چلتا چلتا اس باڑی میں کھو جاتا ہے
آج تو جانے کس لرزاں دھبے سے ٹکرایا، وہ پگلا''
کویل نے یہ سوچا، پھر بے کھٹکے
پتوں کی اس سیج پہ تھوڑی دیر کو اونگھ گئی وہ
بوئے سحر کے مست بلاوے پر بیساختہ کوک اٹھنے سے پہلے! (۳)

مجید امجد نے انگریزی زبان وادب کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔اس کی وجہ سے وہ جدید اُردو نظم اور انگریزی نظم کے تراجم

میں بھی اہم نام رکھتے ہیں۔ان کی ترجمہ شدہ نظموں میں جدید ہیئتی تجربات کے ساتھ تخلیقی رچاؤ بھی ملتا ہے۔وہ علامہ اقبال کے بعد سب سے زیادہ ہیئتی تجربات کرنے اور موضوعاتی تنوع قائم رکھنے والے اہم شاعر تھے۔انھوں نے فن کی پابندیوں کا التزام بھی کیا اور جہاں کہیں معنی خیز آزادیوں کی ضرورت درپیش رہی، جدید سانچوں کا بھی برملا استعمال کیا۔اس امر کے دوران میں انھوں نے جدیدیت کے ساتھ معنویت کا بھی خیال رکھا۔ان کی فکری لطافت بہر طور قائم رہی ہے۔وہ نظم کی تخلیق اور شعری بُنت میں فن کارانہ صلاحیتوں کا لوہا منوانے میں کامیابی سے ہم کنار رہنے والے جدید شاعر ہیں۔

انھوں نے اُسلوب کی تازہ کاری، معنوی تسلسل اور رعنائی خیال کے ساتھ ساتھ فکری روانی اور مضمون کی بندشوں کو بڑے التزام سے نئے ہیئتی تجربے کی نذر کیا ہے۔وہ آزاد اور پابند نظم کی آمیخت سے نت نئے تجربات کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔وہ مصرعوں کو نظم کی داخلی ضروریات کے پیشِ نظر چھوٹا بڑا کرنے کے دوران خوب صورتی اور دل کشی کا خیال کرتے ہیں، جس سے صوری اور معنوی اعتبار سے حسن قائم رہتا ہے۔اس حوالے سے مجید امجد نے معاصر شعری ادب میں ایک منفرد اسلوب پیدا کیا ہے۔اُن کے ہیئتی تجربات پابند اور آزاد نظم سے بھی گہری وابستگی رکھتے ہیں۔انھوں نے نظم کے داخلی آہنگ اور خارجی پیکر کی مناسبت سے قافیہ بندی کا فریضہ انجام دیا ہے۔آزاد نظم میں مجید امجد کی اختراعات کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> ''ایک ایسی ہئیت اختراع کی جو نثر کے قریب تر ہے، لیکن اس ہئیت میں داخلی آہنگ بھی موجود ہے اور خارجی لحاظ سے بھی اس کی ترتیب فن کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔''(۴)

مجید امجد نے ہئیتوں کے کامیاب تجربات کیے ہیں۔ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے فن اور شخصیت میں ہم آہنگی کا سامان کیا ہے۔ان کی شاعری میں کہیں بھی فنی اور شخصی تضاد کا شائبہ نہیں ہوتا۔اُن کے ہاں ہست و بود میں یک سانی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ان کی حیات اور فن ایک خاص توازن رکھتے ہیں، جن میں کہیں بھی ترکیبی تضاد نہیں پایا جاتا۔ان کا یہ توازن انھیں کامیابی کی سطح پر قائم رکھتا ہے۔

مجید امجد کا تاریخی مطالعہ وسعت آمیز تھا۔ وہ ایک باشعور فن کار تھے۔ ان کی شاعری کا بنیادی موضوع انسان اور انسانیت کا فروغ رہا ہے۔ان کی شاعری میں آفاقی شعور، فلسفیانہ اندازِ فکر اور سائنسی سوچ انھیں ایک خاص مقام عطا کرتی ہے۔انھوں نے انسانیت کے کرب کو بڑے قریب سے محسوس کیا اور اپنے ذاتی غم سے آمیخت کر کے اُسے کائناتی رنگ میں شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ڈاکٹر تقدیس زہرا نے مجید امجد کی شاعری کے المیاتی پہلوؤں کے بارے میں لکھا ہے:

> ''مجید امجد کی ہر نظم گہرے غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔آپ مجید امجد کو کہیں سے پڑھنا شروع کریں، پہلے مصرے کے ساتھ ہی آپ گہرے غم کی گرفت میں آجاتے ہیں۔''(۵)

مجید امجد کی شاعری کا ایک خاص عنصر انسانی ہم دردی رہا ہے۔وہ انسانیت سے اس قدر پیار کرتے تھے کہ ان کا نازک دل انسانیت نوازی کے راگ الاپتا ہے۔وہ انسان کو درپیش مسائل اور اس کی ذہنی الجھنوں کو ایک حساس فن کار اور ماہرِ نفسیات کی حیثیت سے بھانپ لیتے ہیں۔اُن کی شاعری میں انسانیت کے نوحے برابر کسک دکھاتے ہیں۔اس ضمن میں ان کی ایک انوکھی نظم ''پنواڑی'' سے کچھ بند ملاحظہ ہوں:

عمر اس بوڑھے پنواڑی کی پان لگاتے گزری
چونا لگاتے ، چھالیا کاٹتے ، کتھ پگھلاتے گزری

سگرٹ کی خالی ڈبیوں کے محل سجاتے گزری
کتنے شرابی مشتریوں سے نین ملاتے گزری
چند کسیلے پتوں کی گتھی سلجھاتے گزری
کون اس گتھی کو سلجھائے ، دنیا ایک پہیلی
دو دن ایک پھٹی چادر میں دکھ کی آندھی جھیلی
دو کڑوی سانسیں لیں، دو چلموں کی راکھ انڈیلی
اور پھر اس کے بعد نہ پوچھو ، کھیل جو ہونی کھیلی
پنواڑی کی ارتھی اٹھی ، بابا اللہ بیلی
صبح بھجن کی تان منوہر جھنن جھنن لہرائے
ایک چتا کی راکھ ہوا کے جھونکوں میں کھو جائے
شام کو اس کا کم سن بیٹا پان لگائے
جھن جھن، ٹھن ٹھن چونے والی کٹوری بجتی جائے
ایک پتنگا دیپک پر جل جائے ، دوسرا آئے(۶)

مجید امجد نے جس کمال ہنرمندی سے کش مکشِ حیات کی تمثال کاری کی ہے، وہ انھی کا خاصہ ہے۔انھوں نے زندگی اور موت کے درمیان کی تڑپ کو جس انداز میں ہمارے شعور کا حصہ بنایا ہے،اس سے ان کے ہم دردانہ رویے اور انسان دوست جذبات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ایک دل دردمند رکھنے والے حساس فن کار تھے، جنھوں نے بڑی حد تک میر کی طرح زندگی میں ناکامیوں اور محرومیوں سے کام لیا تھا۔ان کے ایسے حساس اور کرب ناک تجربات شعری پیکر میں ڈھل کر غمِ دوراں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔انھوں نے انسانی غم زدگی کی ایسی ایسی تصویریں کھینچی ہیں کہ چیتھڑوں کی اوٹ سے جھانکتا ہوا جسم انسانی جذبوں اور ضرورتوں کا مذاق اڑتا دکھائی دیتا ہے۔انھوں نے اس ضمن میں منٹو کی طرزِ فکر کو اپنی سوچ اور اسلوب کے مطابق فنِ شعر میں سمویا ہے۔مجید امجد کے ایسے ہی جذبات اور اشعار کی بابت ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

> ''اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مجید امجد کی شاعری میں کون سا جذبہ اپنی ساری گہرائی اور تنوع کے ساتھ ابھرا ہے،تو میں کہوں گا کہ دردمندی، مجید امجد کی شاعری کا سب سے فعال، سب سے حسین جذبہ ہے اور یہ جذبہ محض کسی ایک طبقے کے لیے نہیں ہے،اس کی سرحدیں اتنی وسیع ہیں کہ اس کے دائرے میں جمادات، حیوانات، حشرات الارض، پھل، پھول اور بچے ۔۔۔ سب سمٹ آئے ہیں،حتیٰ کہ زندگی اور موت کے جملہ مظاہر کا بھی اس نے احاطہ کر لیا ہے۔''(۷)

مجید امجد انسانی زندگی اور کائنات کے حسن کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھنے کے آرزومند تھے۔اُن کی شاعری میں انسان اور کائنات کے مزاج کے خلاف کارفرمائیوں کا ماتم کیا گیا ہے۔اس کا حساس اور دردمند دل اس وقت خون آشام ہوتا ہے، جب فطرت کے قوانین کی سرتابی ہوتی ہے۔وہ کائنات کے حسن کو بھی اسی صورت میں دیکھنے کے متمنی ہیں، جو اُس کا خاصا ہے۔ فطری خوب صورتی اور حسن کو انھوں نے کبھی مادی اور مصنوعی حسن پر ترجیح نہیں دی۔انھوں نے اپنی ایک مقبول نظم ''توسیعِ

شہر'' میں درختوں کے کٹنے کا نوحہ بیان کیا ہے۔انھوں نے انسان کی تباہ کاری سے فطرت پر پڑنے والے منفی اثرات کو بہت پہلے نہ صرف محسوس کیا تھا بل کہ اُس کے نوحے بھی بیان کیے تھے۔آج کے جدید سائنسی دور میں بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی اور گلوبل وارمنگ کے عہد میں درخت اگانے اور ان کی حفاظت کرنے کے لیے کروڑوں روپے لگائے جانے سے ہمیں مجید امجد کے حساس دل، نگاہ دور بین اور ایک دور اندیش فن کار کی فن کارانہ صلاحیتوں کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔انھوں نے تو بہت پہلے یہاں تک فرمایا تھا:

آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار
اس مقتل میں صرف اک میری سوچ ، لہکتی ڈال
اس پر بھی اب، کاری ضرب اک، اے آدم کی آل!(۸)

مجید امجد نے دلِ دردمند کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کائنات کے فطری حسن کے قیام کے لیے درختوں ہی کے نہیں بل کہ سبزے، پرندے، جانور، ہوا اور پانی تک کو اپنی شاعری میں انسان کے لیے بہتری کے حقیقی سامان کے طور پر سمو رکھا ہے۔ پرندوں سے خصوصی لگاؤ ان کی شخصیت کا اہم عنصر ہے، جیسے انھوں نے اپنی شاعری میں مختلف عنوانات کے تحت جگہ دی ہے۔وہ پھلوں اور پھولوں کے ساتھ حشرات الارض ایسے موضوعات کو اپنی شاعری میں موضوع بناتے ہیں۔اس ضمن میں مجید امجد نے نظیر اکبر آبادی کی قائم شدہ روایت اور عوامی شاعری کو مزید وسعت عطا کی ہے۔اُن کی ترقی پسندانہ سوچ اور رومانوی فکر اس سے بھی کہیں زیادہ آگے کی کیفیات کو اپنی شاعری میں جگہ دے چکی ہے۔اس حوالے سے مجید امجد کے کلام کا مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں نو بہ نو ایسے موضوعات کے انبار لگے دکھائی دیں گے، جس سے ہم برملا اُن کے وسیع مطالعے، گہرے مشاہدے اور مثبت طرزِ فکر کا نہ صرف اعتراف کرتے ہیں بل کہ اُن کی صلاحیتوں کو داد بھی دیتے ہیں۔

مجید امجد نے اپنی ذات کے نہاں خانوں میں جھانک کر شعری تجربات سے قصرِ شاعری کی تعمیر کی ہے۔ان کی شخصی دروں بینی نے انھیں مختلف ادبی تحریکوں اور مجلسی ادبی زندگی سے دور رکھا۔وہ شخصی اعتبار سے انجمن ستائش باہمی سے بھی دور ہی رہے۔ان کا تخلیقی فن ''نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا'' کا عکاس رہا ہے۔آج وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ درج بالا قبیل سے تعلق رکھنے والے بہت سے شعرا وقت کی دھول کی نذر ہو چکے ہیں اور مجید امجد کے کلام کی اشاعت نے انھیں اقبال کے بعد بڑے شعرا کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔فیض ایسے شاعر نے مجید امجد کے کلام کو داد و تحسین پیش کی ہے۔مجید امجد کی ذات میں پوشیدہ کرب اور المیاتی عناصر کی کارفرمائی کے بارے میں ڈاکٹر عنبرین منیر نے لکھا ہے:

''مجید امجد کی شاعری ذاتی المیے سے لے کر اجتماعی المیے تک اور ذاتی رویوں، رجحانات، اجتماعی رویوں اور رجحانات تک پھیلی ہوئی ہے۔ان المیے اور رویوں کی ترجمانی میں مجید امجد کے نفسیاتی شعور کی کئی تہیں بے نقاب ہوتی ہیں۔''(۹)

مجید امجد نے فرد اور سماج کے باہمی تعلق کو قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اس عمل کے حصول کے لیے انھوں نے اپنی ذات اور کائنات سے پردے اٹھانے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے۔انھوں نے اپنی نظموں میں اپنے داخل کو سماج سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے مختلف کرداری نظموں میں فرد اور معاشرے کی آویزش کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔اس حوالے سے انھوں نے نفسیاتی ادراک اور ژرف بینی کا مظاہرہ کیا ہے۔انھوں نے مادیت پرستی اور انسان کی بے ضمیری کو کڑے

انتساب کا نشانہ بنایا ہے۔

مجید امجد فرد کی تنہائی اور بے وقعتی پر کڑھنے کی بجائے اس کی داخلی شکست و ریخت کو شعری بطن میں ڈھالتے ہیں۔اپنے عہد کے فرد کے ذہنی انتشار اور اس کی مزاجی افراتفری کے وہ تماشائی نہیں بلکہ ان وباؤں سے گلوخلاصی کے لیے وہ ایک پروگرام بھی عطا کرتے ہیں۔اُن کے کلیات میں ایسی بے شمار نظمیں ہیں، جو درج بالا موضوعات کی آویزش سے آراستہ ہیں۔آپ نے ایک ماہر جراح کی طرح شعری اور تخلیقی عملِ جراحی سے ایسے ناسوروں کو کٹ لگا کر اُن میں موجود فاسد مادوں کو نکالنے کی کامیاب کاوش کی ہے۔انھوں نے اپنی شاعری سے فرد کو جینے کا حوصلہ عطا کیا ہے۔اُن کی شاعری انسانی زندگی سے الفت کی پیامی ہے۔اس حوالے سے مجید امجد کی نظموں سے بطورِ مثال چند بند ملاحظہ کیجیے:

کوئی بھی واقعہ کبھی تنہا نہیں ہوا
ہر سانحہ اک الجھی ہوئی واردات ہے
اک جام اٹھا کے میں نے زمیں پر پٹخ دیا
سوچو! اس ایک لمحے میں کیا کچھ نہیں ہوا
ہر سمت ڈھیر ، صد صدفِ سانحات کے
قوسِ کنارِ قلزمِ دوراں پہ لگ گئے
پرکھو ، تو رنگ رنگ کی ان سیپیوں پہ ہے
لہروں کے تازیانوں کی تحریر ، الگ الگ(۱۰)

ان آئینوں میں جلے ہیں ہزار عکس عدم
دوام درد! تیرے رت جگے نہیں گزرے
بکھرتی لہروں کے ساتھ ان دنوں کے تنکے بھی تھے
جو دل میں بہتے ہوئے رک گئے نہیں گزرے
انھیں حقیقتِ دریا کی کیا خبر امجد
جو اپنی روح کے منجدھار سے نہیں گزرے(۱۱)

ہم جیتے ہیں ان روحوں کو بھلانے میں
سدا جو ہم کو یاد کریں
سدا جو ہم کو اپنے مشکیں غرفوں سے دیکھیں
جیسے، پورب کی دیوار پہ، انگوروں کی بیلوں میں
بڑھتے، رکتے، ننھے ننھے، چمکیلے نقطے
کرنوں کے ریزے
جو ہر صبح

ہر جھونکے کے ساتھ
ان پتوں کی درزوں میں
اے رے دل!
تیری خاطر جلتے بجھتے ہیں (۱۲)

مجید امجد کی شاعری کا ایک اور کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی ذات کے عکس کو مختلف کرداروں میں متشکل کیا ہے۔ وہ انسان کی میکانکی زندگی کے پھیلاؤ سے پیدا شدہ انسانی شخصی ابعاد کے بیان پر بھی گرفت رکھتے ہیں۔ وہ کائنات کی مختلف اشیاء سے موانست اور ہم دردی کا جذبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حیاتِ انسانی کی کرداری حیثیت پر بھی قلم اٹھاتے ہیں۔ انھوں نے انسانی زندگی کے عمومی اور جیتے جاگتے مگر سادہ لوح کرداروں کے انتخاب سے فکری رجحانات کو اٹھان عطا کی ہے۔ مجید امجد کے شعری تلازمات اور کرداروں کے انتخاب کے بارے میں سہیل احمد لکھتے ہیں:

''مجید امجد کے شعری تلازمات جن کرداروں کو سامنے لاتے ہیں، وہ تجریدی انسان نہیں بل کہ انسانوں کے مختلف گروہوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ زیادہ تر کردار ایسے ہیں، جو معاشرے میں کسی بلند مقام کے حامل نہیں سمجھے جاتے ہیں، جن کے پاس اعلیٰ علمی اسناد بھی نہیں ہیں اور وہ بڑے شہروں کے لوگوں کی طرح مسائل پر رائے زنی بھی نہیں کر سکتے، لیکن ان سب کرداروں کے پاس زندہ رہنے کی وہ لگن ہے، جس سے آج کا انسان عاری ہو چکا ہے۔'' (۱۳)

مجید امجد نے اپنی فکری ترسیل میں نباتات، جمادات اور عام شخصیات کا انتخاب کیا ہے۔ دراصل وہ زندگی کے شاعر تھے۔ انھوں نے انسانی زندگی کے ساتھ درج بالا اشیا اور کائنات سے بھی محبت اور موانست کا درس دیا ہے۔ اس حوالے سے مجید امجد کی شاعری رنگا رنگ انسانی شخصی تشکیلات سے مزّین ہے، جہاں انسانی حیات اور فکر کے نو بہ نو تجربات دکھائی دیتے ہیں۔ اُنھوں نے انسانی ضمیر کی آواز کو بڑی کامیابی سے جذبے اور احساس کی نذر کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عامر سہیل، سید، ڈاکٹر، مجید امجد: نقش گرِ ناتمام، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۸ء، ص: ۷۹

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، جدید نظم اور اربابِ اربعہ، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص: ۳۵

۳۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد، مرتب: خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۴۸۵

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، جدید نظم اور اربابِ اربعہ، ص: ۴۶

۵۔ تقدیس زہرا، ڈاکٹر، میں فکر رازِ ہستی کا پرستار، مشمولہ: نمود، ماہنامہ، مجید امجد نمبر، جلد دوم، شمارہ ۷۔۶، لاہور، جون۔ جولائی ۲۰۱۴ء، ص: ۹۹

۶۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد، ص: ۸۸۔۸۹

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، مجید امجد: ایک دلِ دردمند، مشمولہ: مجید امجد: نئے تناظر میں، مرتب: احتشام علی، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء، ص: ۳۹۔۴۰

۸۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد، ص: ۳۵۲

۹۔ عنبرین منیر، ڈاکٹر، مجید امجد کی نظم میں نفسیاتی شعور، مشمولہ: بازیافت ۴۲، جنوری۔ جون ۲۰۱۴ء، لاہور: اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی،

ص:۲۲۲

۱۰۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد، ص:۴۱۳۔۴۱۴

۱۱۔ ایضاً، ص:۴۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۴۷۷۔۴۷۸

۱۳۔ سہیل احمد، مجید امجد اور نئی شعری صورتِ حال، مشمولہ: قند، مجید امجد نمبر، دورِ ثانی ۳۱، جلد ۳، شمارہ ۸۔۹، مردان، مئی۔ جون ۱۹۷۵ء، ص:۶۹

☆......☆......☆